© rasailojaraid.com

رشحات

آیاتِ قرآنی اور علمائے اسلام کے فکری اعتبارات

جناب کیپٹن محمد قطب الدین احمد صاحب بختیار کاکی

مئے من گرچہ نا صاف است در کش
کہ ایں تہ جرعۂ خمہائے دوش است
"اقبالؒ"

حلقۂ فکرِ قرآن کی سہ گانہ صحبتہائے دوشیں، منعقدہ فروری، مارچ و اپریل ۱۹۶۸ء اس ہیچ میرزانے سورۂ نحل کی آیات کے تعلق سے، مشتے نمونہ از خروارے، چند جواہر پارے، جو ملفوظاتِ عالیہ کی صورت میں نہانخانۂ قلب اور خزینۂ دماغ میں محفوظ تھے، لب تشنۂ جمال آنکھوں کو تسکین اور ٹھنڈک پہنچانے کی سعادت حاصل کی تھی وہ ان تمناؤں کے ساتھ بہ مراد توزیع ارسال کئے جا رہے ہیں کہ شاید سوختہ سامان طریقِ عشق و خود رفتگی میں سے کوئی فرد فریدان سرود ہائے رفتہ کو اپنی نو بہ نو اور تازہ بتازہ سرمستیوں کا سرمدی سرمایہ بنا لے۔
"چہ گہرہاست در خزینۂ ما"

در عالمِ حق شہرت باطل چہ فروشم	جنسم ہمہ لیلیٰ ست بہ محمل چہ فروشم
قانونِ ادب غلغل تقریر نداند	دف نیستم، افسون جلاجل چہ فروشم

مرزا عبدالقادر بیدلؒ

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ وہ متقی جنہیں فرشتے اس حال میں وفات دیتے ہیں کہ وہ ایمان و یقین اور پاکی عمل کی روح سے خوشحال ہوتے ہیں، فرشتے اُن سے کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو، جنت میں داخل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جاؤ، یہ نتیجہ ہے اُن کاموں کا جو تم کرتے رہے ہو)۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، الموت غنیمۃ المومن و(موت) ریحانۃ المومن، موت مومن کے لیے بے طلب بخشش اور سامانِ راحت ہے۔ موت کے وقت کی کیفیت جس کو قرآن سکرۃ الموت سے کرتا ہے، وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ، اس بارے میں بعض علماء، زرقانی، راغب اصفہانی صاحب مفردات، اور ابو محمد فرجانی نے یہ کہا ہے کہ تلک السکرات، سکرات الضراب، یعنی از دیاد مسرت اور فرط نشاط سے بیہ۔ خودی اور وارفتگی کی حالت طاری ہوتی ہے۔ عربی میں سکرہ، کے معنی تکلیف اور دکھ کے نہیں بلکہ نشہ اور سرمستی کو سکرہ کہا جاتا ہے۔ یہ نشہ نشأۃ جدیدیا حیاتِ نو کی سرمستیاں اور سرخوشیاں ہوتی ہیں۔ اہل اللہ نے اس کا ہمیشہ مسکراتے ہوئے خیر مقدم کیا ہے۔ چنانچہ علامات ایمانی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بوقت جاں سپردن ہونٹوں پر تبسم رقصاں رہے جیسا کہ اقبال نے کہا ہے ۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم ۔۔۔ چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

حافظ شیرازی نے اس غربت سرائے ارض سے آنسوئے افلاک لھی الحیوان کی طرف کوچ کی خوش وقتیوں پر ایک غزل ہی کہہ ڈالی جس میں اپنی تمناؤں کا اس بے خودانہ انداز میں اظہار کیا گیا ہے:۔

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم ۔۔۔ راحتِ جاں طلبم، وز پئے جاناں بروم

گرچہ دانم کہ بجائے نرود راہِ غریب ۔۔۔ من بہوئے خوشِ آں زلف پریشاں بروم

بہ ہوائے لب او ذرہ صفت رقص کناں ۔۔۔ تا بسر چشمۂ خورشید درخشاں بروم

چل صبا با دلِ بیمار و تنِ بے طاقت ۔۔۔ بہواداریِ آں سروِ خراماں بروم

نذر کردم کہ گریں غم بسر آید روزے ۔۔۔ تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

غزوۂ بیر معونہ میں جب حضرت عامر بن فہیرہ کے قاتل جبار سلمی کا نیزہ ان کے سینہ کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھیدتا ہوا آر پار ہو گیا تو بجائے اضطراب و تشویش کے بے ساختہ ان کی زبان پر فزت واللہ کے کلمات رواں ہو گئے، یعنی خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا، ان کے قاتل کو استعجاب ہوا کہ میں تو ان کا رشتۂ حیات منقطع کر رہا ہوں اور یہ اپنی کامیابی کا راگ الاپ رہے ہیں لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ فدائیانِ اسلام کے لیے شہادت احدی الحسنیین میں سے ہے تو یہی جانبازانہ حرکت ان کے ایمان لانے کا موجب بن گئی۔ یہ اس طیبین یقولون سلام علیکم، کی جادہ طرازیاں ہیں یہی وجہ تھی کہ حضرت بلال کی لسان صدق بیان پر نزع کی حالت میں۔ وافرحتا! واطرباہ! کے الفاظ فضا میں گونج اور ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔ یہ لوگ زندگی کی سوغات رکھتے ہی اس لیے ہیں کہ وقت یاد فرمائی و دیدار شناسی اس کو کسی کے قدموں پر نچھاور کر دیں۔ اپنی ان تمناؤں اور آرزوؤں کا کیسے کیسے خوش آئند انداز میں اظہار کیا گیا ہے۔

این جان عاریت کہ بہ حافظ سپرد دوست روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم

کوئی اس نوع سے زمزمہ سنج ہے:۔

منم وہمیں تمنا کہ بہ وقت جان سپردن بہ رخ تو دیدہ باشم تو درون دیدہ باشی

کوئی اپنے قلب کے تاروں پر زخمہ زنی کے ذریعہ ان نغمات کو ابھار رہا ہے:۔

خوب رویاں چو پردہ برگیرند عاشقاں پیش شاں چنیں میرند

انسان کی بقا اسی میں ہے کہ وہ وجہ اللہ کے ساتھ پیوست ہو جائے، کل شئی ھالک الا وجہہ، اور کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام، میں خود عبارۃ النص شوخی الفاظ کے ساتھ اپنے معانی و مطالب کو عریاں اور بے نقاب کر رہی ہے۔ معنیم، از شوخی الفاظ عریاں میشود، عارف رومی بھی اسی خیال کی تائید میں ہیں۔ کل شئی ھالک کے بعد الا وجہہ موجود ہے ؂

در خطر بازی و با محنت بساز میطلب در مرگِ خود عمر دراز ”رومی“

یا حکیم سنائی کے الفاظ میں:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

در مقامیکہ علم و عرفان است — مردن جسم زادن جان است

صحیح زندگی بسر کرنا، وجہ الٰہی یعنی صفات ذات الٰہی میں داخل ہو کر زندۂ جاوید ہو جانا ہے۔ حدیث کے الفاظ بھی اس خصوص میں نہایت قطعی الثبوت واقع ہوئے ہیں، انما خلقتم للابد روح انسان جس سے خود اس کا وجود عبارت ہے، ہرگز فنا پذیر نہیں۔ اسی بنا پر امام غزالی کا قول ہے کہ انسان اگرچہ ازلی نہیں مگر ابدی ضرور ہے۔

کچھ انتہا نہیں نیرنگ زیست کی میرے — حیات محض ہوں، پروردۂ فنا ہوں میں (اصغر)

انگریزی میں یہ ضرب المثل بھی اسی خیال کی ترجمانی کر رہی ہے:-

"Our birth made us mortal, our death will make us immortal."

"پیدا ہو کر ہم فانی اور مر کر جاودانی ہو جاتے ہیں"

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ط

اور مشرکوں نے کہا، اگر اللہ چاہتا تو کبھی ایسا نہ ہوتا کہ ہم یا ہمارے باپ دادا اس کے سوا دوسری ہستیوں کی پوجا کرتے، اور نہ ایسا ہوتا کہ بغیر اس کے حکم کے کسی چیز کو اپنے جی سے گڑھ کر حرام ٹھہرا لیتے۔

یہ عالم انسانیت کی قدیم بیماری ہے کہ وہ اپنے حرکات وافعال کی اباحت وجواز میں اس طرح کی الٹی منطق بگھارتا ہے، اور اپنی خطاکاریوں میں اگر خدا کو ہمکار نہیں تو نعوذ باللہ مستتار قرار دیتا ہے۔ بنی امیہ کی صدگونہ بدعات ومحدثات میں سے ایک ہلاکت آفریں بدعت مسئلہ جبر بھی ہے۔ اموی حکمراں اپنے دور میں یہ افیون گھول کر مسلمانوں کو پلاتے رہے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے، دم مارنے کی جگہ نہیں، خوب وزشت کی تمیز تمہارا کام نہیں، چشم آئینہ کی طرح بس حیران وششدر رہو ؎

تمیز نیک وبد روزگار کار تو نیست — چو چشم آئینہ در خوب وزشت حیران باش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معبد جہنی نے حضرت حسن بصری سے کہا کہ بنی امیہ مسلمانوں کے قتل کو تقدیر الٰہی قرار دیتے ہیں، توانہوں نے غصے سے جواب دیا کہ یہ لوگ کذاب ہیں۔ قرآن سے تقدیر کا غلط مفہوم اخذ کرنا ادنیٰ قسم کی اغراض پرستی کا نتیجہ ہے۔ قرآن کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ زندگی وقت میں نہیں بلکہ وقت زندگی کی تخلیقی قوت ہے۔ کبھی یہ ارتقائی زندگی کی خلاق قوت کلیم کے اندر کارفرما ہوتی ہے، کبھی حیدر کرار کے پنجۂ خیبر شکن میں اور کبھی خالد جانباز کی سیف شرر شکن و خارا شگاف کی صورت میں۔ خانوادۂ ختمی مرتبت کی گل سرسبد اور واسطۃ العقد شخصیت شیخ عبدالقادر جیلانی کا یہ ارشاد انسان کی خوابیدہ برہم زن افلاک صلاحیتوں کو جھنجوڑ رہا ہے۔ کس عزم محکم کے ساتھ اپنے خلوتکدہ اور زاویۂ خانقاہ سے عالم انسانیت کی پامردیوں کو للکارا جا رہا ہے، الرجل من ینازع القدر لا من یوافقہ، جوانمرد وہ ہے جو قضا و قدر سے نبرد آزما ہو، وہ نہیں جو گوسفندانہ انداز میں اس کی دھار پر اپنی گردن جھکا دے۔ فرماتے ہیں خدا نے انسان کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مشیت سے جنگ آزمائی کرے۔ اس طرز بیان میں بڑی جرأت معلوم ہوتی ہے، لیکن ایک امر واقعہ کا اظہار ہے۔ خدا کے پیدا کردہ حوادث بھی مشیت کا نتیجہ ہیں، مگر ان حوادث کے نتائج سے بچنا اور حفاظت کے سامان مہیا کرنا بھی خود مشیت کا تقاضہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مرد وہ نہیں جو راضی بالمعاصی ہو اور عذر خواہی میں قدر کی حجت پیش کرے، مرد وہ ہے جو مدافعت مقادیر کرے، تا آنکہ قدر واقع نہ ہو، اگر اس پر بھی وقوع پذیر ہو تو وہ اپنا حق ادا کر چکا، باز پرس سے بری الذمہ ہے۔ فطرت غروب آفتاب سے اندھیرا کر دیتی ہے، انسان چراغ روشن کر کے اس اندھیرے کو اجالے سے بدل دیتا ہے۔ یہاں ابتدائے کار (INITIATIVE) انسان کے ہاتھ میں ہے۔ خدا کا قانون اس کے پیچھے چلتا ہے۔ حق سے اس کو پھرایا جاتا ہے، جو خود اس سے پھرنا چاہتا ہے، دل انہیں کے ٹیڑھے ہوتے ہیں جو پیچ و خم کے راستوں پر چلنے کے خوگر ہوتے ہیں۔ جیسا انسان کا فیصلہ ویسا خدا کا قانون۔ علامہ اقبال نے کس سہل و ممتنع انداز میں اس پیچیدہ مسئلہ کو حرف و صوت کے پردوں میں حل کیا ہے:-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارضیان نقد خودی در باختن　　نکتۂ تقدیر را نشنا ختند
رمز باریکش بحرفے مضمر است　　تو اگر دیگر شوی او دیگر است
خاک شو نذر ہوا سازد ترا　　سنگ شو بر شیشہ اندازد ترا
شبنمی! افتندگی تقدیر تست　　قلزمی! پائندگی تقدیر تست
گر زیک تقدیر خوں گردد جگر　　خواہ از حق حکم تقدیر دگر
تو اگر تقدیر نو خواہی رواست　　زانکہ تقدیرات حق لا انتہاست

"جیسا بندہ، ویسا اس کا خدا" یہ مضمون الفاظِ حدیث کے نگینوں کا برادہ، تراشہ اور ترجمہ ہے "انا عند ظن عبدی بی، فلیظن خیراً" شاہ ولی اللہؒ دہلوی نے دو مصرعوں میں اس کو سمیٹ لیا ہے:-

او نما چوں آب در ہر رنگ شامل میشود　　صافی اندر گوہر است و تیرہ در گل میشود

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے قضاء و قدر کے بارے میں ایک عجیب نکتہ پیدا فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہاں دو عالم علیحدہ علیحدہ موجود ہیں۔ ایک عالم تقدیر جو غیب در غیب ہے، دوسرا عالم تکلیف یعنی جس میں ہم کو افعال شرعیہ کا مکلف بنایا گیا ہے، یہ مشہود ہی مشہود ہے۔ عالم تکلیف میں بندہ کھلا مختار رکھا گیا ہے حتیٰ کہ جب تک اس کا اختیار مستقل نظر آنے نہیں لگتا یعنی وہ بالغ نہیں ہو جاتا، اس سے افعالِ شرعیہ کا مطالبہ بھی نہیں ہوتا۔ مگر یہاں عالم تقدیر ظاہر نہیں ہے، اور جہاں عالم تقدیر ظاہر ہے وہاں اس کو مجبور ہی مجبور بنا دیا گیا ہے مگر وہاں ہم مکلف کل نہیں ہیں۔ ان دونوں عالموں کے درمیان خلط کر دینے سے یہ سارے اشکالات پیدا ہو گئے ہیں۔ جزا و سزا کا مسئلہ بھی اسی پر دائر ہے۔ جو اس عالم میں موجود ہے اس کو دوسرے عالم میں اپنے مجبور ہونے کا عذر نہ کرنا چاہیے اور نہ یہ معقول ہو سکتا ہے تضیعۂ زمین برسرِ زمین، یہاں جب کبھی اپنے نفس کو دیکھو گے اس کو مختار ہی پاؤ گے، پھر اپنے اس بدیہی وجدان کو چھوڑ کر تقدیر میں الجھ کٹ حجتی نہیں تو اور کیا ہے۔

مزاج مغرب کا جارانہ، ضمیر مشرق ہے راہبانہ　　وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غلام قوموں کے علم و عرفاں کی ہے یہی رمز آشکارا
زمیں اگر تنگ ہے تو کیا ہے، فضائے گردوں ہے بے کرانہ
خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

ایک جبر غلامی کا یہ ہے کہ جس کی ہم پیداوار ہیں، اور ایک جبر وہ تھا جس نے فاروق، حیدر اور خالد کو پیدا کیا۔

چوں فنا اندر رضائے حق شود
بندۂ مومن قضائے حق شود
جبر خالد عالمے برہم زند
جبر ما بیخ وبن ما بر کند
کار مرداں است تسلیم و رضا
بر ضعیفاں راست نایداں قبا

کہتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامی کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا، کسی مسلمان نے اس سے کہا کہ تو مسلمان ہو جا تاکہ اخروی نجات سے شادکام ہو، اس نے جواب دیا اگر ایمان واسلام تمہارے جیسا ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں اگر بایزید جیسا ہے تو مجھ میں اس کی تاب وطاقت نہیں۔

خدا تو بندۂ مومن کو اس رنگ میں دیکھنا چاہتا ہے بلکہ خود اپنے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے۔

زندہ، مشتاق شو، خلاق شو
ہمچو ماگیرندۂ آفاق شو
در شکن آنرا کہ ناید ساز گار
از ضمیر خود دگر عالم بیار
بندۂ آزاد را آید گراں
زیستن اندر جہانِ دیگراں

مرد حق بازندہ چوں شمشیر باش
خود جہان خویش را تقدیر باش

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ○

(جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کوئی چیز پیدا کریں تو ہم اس کے اور کچھ نہیں کہتے کہ ہو جا، بس مجرد اس کہنے کے ہو جاتی ہے)۔

انسان کے دوبارہ جی اٹھنے پر اچنبھا کرنے والوں کی کم مغزی کو اپنی قدرت کاملہ کے تھوڑے چمکتا چور کیے جا رہا ہے۔ تم اللہ کی قدرت کا اندازہ اپنے آپ کو پیش نظر رکھ کر کرنا چاہتے ہو، اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی اس کمزور ترازو سے قدرت کی کارفرمائیوں کو تولنا چاہتے ہو، کہیں برگ کاہ، کوہ کا اندازہ کرسکتا ہے۔

آرزو میخواہ، لیک اندازہ خواہ ۔۔۔ برنتابد کوہ را یک برگ کاہ

وہ کسی چیز کے ظہور میں کسی قسم کے سروسامان کا محتاج نہیں، اس کا چاہنا ہی سب کچھ ہے، صرف ارادۂ تخلیق کافی ہے۔ اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ بمجرد حکم "کن"، وہ چیز منصۂ شہود پر معاً فیکون کی شان سے جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ یہاں فلسفہ و منطق کی ساری سوفسطائی کاوشیں، خطاب بہ معدوم وغیرہ سب کی سب دریا برد اور ہوا در ہوا ہیں اور مطلقاً درخور اعتنا نہیں۔ جہاں کی کیفیت یہ ہو کہ جزء کل سے فزوں ہو وہاں رازی اور طوسی کا قیاس جنون نہیں تو اور کیا ہے۔

دریں عالم کہ جزء از کل فزوں است ۔۔۔ قیاس طوسی و رازی جنون است

نہ بارد ہوا، تا نہ گوئی ببار ۔۔۔ زمیں تا ورد تا نگوئی بیار (نظامی)

گر تو خواہی آب و آتش خوش شود ۔۔۔ ورنہ خواہی آب ہم آتش شود

از مُسبّب میرسد ہر خیر و شر ۔۔۔ نیست اسباب و وسائط را اثر

ہرچہ خواہد از مُسبّب آورد ۔۔۔ قدرت مطلق سببہا بر درد

جملہ قرآں ہست در قطع سبب ۔۔۔ عز درویش و ہلاک بولہب (رومی)

یہاں بھی اسباب و علل میں گرفتار انسان کو ابھارا جا رہا ہے اور یہ کہہ کر ڈھارس بندھائی جا رہی ہے کہ وہ ناسازگار حالات کا مطلق خیال نہ کرے، مسبّب پر نظر رکھے، اسباب کو نہ دیکھے حصول مقصد کی جہد و سعی جاری رکھے، وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا، پہلے روش ہے، بعد میں کشش، "قدم برداشتن از تو، نگہداشتن از من"، کی صدائے روح پرور غیب سے سامعہ نواز ہوتی رہتی ہے۔ نہ اسباب کو خدا بنائیں نہ اپنی کوششوں اور عرق ریزیوں کو، صرف فضل و بخشش پر نظر رکھیں۔ دروازہ اس کے لیے کھلتا ہے جو یوسف وار بے تحاشا دوڑنے لگتا ہے

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید ۔۔۔ خیرہ یوسف وار می باید دوید (رومی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یوسف وش است آنکہ دو د بہر فتح باب — محتاج التفات کلیدش نمی کنند "عرفی"

دوڑ دھوپ سے کوئی چیز نہیں ملتی، لیکن سنت الٰہی یہ ہے کہ دیتے ہیں کچھ حرکت کرنے کے بعد ہی۔ سہ

بہ جستجوئے نیابد کسے مراد ولے — کسے مراد بیابد کہ جستجو دارد "جامی"

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ اور دیکھو اللہ نے تم سے بعض کو بعض پر بہ اعتبار روزی برتری دی ہے (کوئی زیادہ کماتا ہے کوئی کم) پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جس کسی کو زیادہ روزی دی گئی وہ اپنی روزی اپنے زیردستوں کو لوٹا دے، حالانکہ سب اس میں برابر کے حقدار ہیں، پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کے صریح منکر ہو رہے ہیں۔

معانی و مطالب کی لانہایت وسعتوں کو یہ آیت اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، جس کی سمائی ضخیم مجلدات میں بھی بدشوار ہو سکتی ہے۔ اس میں ان تمام امراض کا علاج موجود ہے جو دولت کی فراوانیوں اور افلاس کی خستہ حالیوں میں جنم لیتے ہیں۔ افلاس اتنی مہلک بیماری نہیں جتنی دولت مندی کا روگ جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ ایک صالح معاشرہ کے لیے ناگزیر ہے کہ دولت کی تقسیم اس انداز پر ہوتی رہے کہ ہر متنفس کے لیے بنیادی ضرورتیں۔ غذا، لباس اور مکان۔ بطرز احسن پوری ہوتی رہیں اور معاشی و معاشرتی عدل برقرار رہے۔ "فہم فیہ سوا"، کا یہ مختصر سا ایک بول انسانیت کی طرف رفعت و سربلندی کی ایک ایسی جست تھی، جس کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے اور اب بھی یہ وہ کلاہ فگن چوٹی ہے، جس کی فلک آغوش بلندیوں کو انسان چھو نہ سکا۔

اس کارگاہ ہستی میں ہر شی کی نشو و نما کے لیے ضروری سامان اور اس کے استعمال میں تناسب دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ پانی سے کھیتی پروان چڑھتی ہے، لیکن جب بھی پانی زیادہ ہو جائے تو گل سڑ جاتی ہے، ہوا سے درخت لہلہا اٹھتے ہیں، لیکن جب بھی ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھکر بن جانے توزیع دبن سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔ پودوں کی نشوونما کے لیے حرارت ناگزیر لیکن جب یہی حرارت شدید ہو جائے تو انھیں جھلسا دیتی ہے۔ لہٰذا تباہ کار و جہنم زا دونوں ہی صورتیں ہیں۔ دوزخ کی حقیقت سامان نمو و بالیدگی سے محرومی ہی کا نام نہیں بلکہ اس کی فراوانیوں میں صحیح توازن و تناسب برقرار نہ ہو تو اس کا نتیجہ بھی وہی ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی بدتر۔ ہم سروسامان زندگی سے محروم ہیں اور اغیار کو دولت کی بہتات نے اعتدال سے بے نصیب کر رکھا ہے، یہاں فالج ہے، وہاں سرسام، آتش کدے دونو جگہ بھڑک رہے ہیں ؎

کند ہر قوم پیدا مرگ خود را ترا تدبیر ما را کشت تقدیر

قرآن نے اکتساب دولت کا دامن انفاق سے باندھ رکھا ہے۔ ایسی تمام دولت جس کے پیچھے اکتناز کی نیت کارفرما ہو، قرآن کے نزدیک ناپاک، ناجائز اور سزاوار عقوبت ہے۔ یہاں کمانا خرچ کرنے کے لیے ہے۔ طبرانی کی حدیث جو حضرت بلال سے روایت کی گئی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما رزقت فلا تخبأ وما سئلت فلا تمنع، یا رسول اللہ وکیف لی بذلک؟ قال ھو ذاک او النار۔ حضور کا ارشاد ہے، جو رزق تجھے عطا کیا گیا ہے اسے چھپا کر نہ رکھ، اور جو کچھ تجھ سے مانگا جائے اس میں بخل سے کام نہ لے، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ کیسے ممکن ہے، ارشاد ہوا یا تو یہ روش اختیار کرنی ہوگی یا جہنم کا ایندھن بننا ہوگا۔

ہر آمدنی گرانبار ذمہ داریوں کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہے۔ فما الذین فضلوا برادی رزقھم، یہاں "رادّ" کا لفظ اختیار فرمایا گیا ہے، جس کے معنے لوٹانے کے ہیں، یعنی تم اپنی طرف سے نہیں دے رہے ہو بلکہ ان کا جائز حق واپس کر رہے ہو۔ یہ جو دولت اور ثروت کے ڈھیر تمہارے حجروں اور تجوریوں میں لگ رہے ہیں، فی الحقیقت یہ اضافہ آمدنی کی مقدار ان افراد کے لیے تھی جو ناسازگار صورت حال یا کسی اور مانع کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سبب حاصل نہ کر سکے۔ یہ ایسی ہی لوگوں کا باغ و چمن اجڑا ہے جو کسی کے دامن کو مالن کی جھولی اور باغبان کی ڈالی بنا رکھا ہے۔ ۵

زمانہ گلشن عیش کرا بہ یغما داد — کہ گل بہ دامن ما جستہ جستہ می آید (عرفی)

خواہ حصول دولت کی کوئی صورت ہو، لیکن رزق کے معاملہ میں سب برابر ہیں، چنانچہ اس کے بعد ہی، "فھم فیہ سواء" فرمایا۔ اس خصوص میں کسی نوع کا امتیاز اور طبقاتی اونچ نیچ اسلام کی نظروں میں پسندیدہ نہیں۔ اور اس کے خلاف ہر ایسے عمل کو اللہ کی نعمتوں سے انکار قرار دیا ہے، "أَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُونَ"، بخاری کتاب الزکوٰۃ کی حدیث میں بھی یہی الفاظ آئے ہیں، "توخذ من اغنیائھم فترد الی فقرائھم"، ان کے مال داروں سے لے کر ان ہی کے ناداروں کو لوٹایا جائے گا۔

انسانیت کی دیرینہ بیماری یہی رہی ہے کہ جو چیز اس کی نہیں ہے۔ وہ اپنی کہتا ہے۔ جو امانتاً دی گئی ہے اس میں خیانت کرتا ہے۔ اس عالم کون و فساد میں فقر و مسکینی کی اصل وجہ یہی غاصبانہ تصرف ہے۔

زیر گردوں فقر و مسکینی چراست — آنچہ از مولاست می گوئی زماست

خدائی نظام ربوبیت یہ ہے کہ تمام اشیائے فطرت جنھیں اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کی پرورش کا ذریعہ بنایا ہے، یعنی رزق کے سرچشمے انھیں کھلا رہنے دیا جائے۔ یہ قرآنی نظام معیشت کی اصل بنیاد ہے کہ (Free goods) کو (Economic goods) یعنے عطایائے الٰہی کو تجارت کا راس المال اور سرمایا نہ بنایا جائے۔ مصابیح السنۃ میں حضورؐ کی ایک حدیث ہے، "الناس شرکاء فی ثلاث، فی الماء، والکلاء والنار"، تین چیزوں میں سب باہم شریک ہیں، پانی، خودرو پیداوار اور ایندھن۔ اگر جسم انسانیت میں عہد حاضر کے قارون، راک فیلر اور ہنری فورڈ جیسے فیل پائے اور راج پھوڑے پیدا نہ ہوں، اور ہر عضو کو مساوی اور حسب ضرورت غذا ملتی رہے، تو ہیئتِ اجتماعیہ ایک صحت مند صورت اختیار کر سکتی ہے۔ جان پاک کی پرورش خون جگر پینے سے ہوتی ہے، بادۂ گلرنگ یا شربت گلاب و قند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے نہیں جسم اور ذات کی نشو و ارتقا میں بنیادی فرق یہ ہے کہ انسانی جسم کی پرورش ہر اس شے سے ہوتی ہے جسے انسان خود کھائے یا استعمال کرے۔ اس کے برعکس ذات کا فروغ وارتقا ان چیزوں سے ہوتا ہے جو دوسروں کو کھلائے اور ایثار کرے، "یؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ،" یہ مکھڑے کی لالی اور چہرے کی شادابی دل کو ویرانی کی غمازی کر رہی ہے:۔

وہ چیز اور ہے، کہتے ہیں جان پاک جسے یہ رنگ یہ رخ یہ لہو آب و ناں کی ہے پیشی "اقبال"

ایں نہ آں عشق است، در مردم بود ایں فساد از خوردن گندم بود "رومی"

قرآن حکیم کا ایک مقام پر ارشاد ہے، تم سے دریافت کیا جا رہا ہے کہ ہم کیا انفاق کریں، کہدو کہ ہر فالتو اور پس انداز شدہ دولت، ویسئلونک ماذا ینفقون، قل العفو (البقرہ ۲۱۹)

ترمذی کی حدیث سے بھی اس کی مزید توضیح ہوتی ہے، ان فی المال حقا سوی الزکوٰۃ، مال میں علاوہ زکوٰۃ کے بھی حق ہے۔ بالعموم انسان اپنی کمائی دو شعبہ ہائے زندگی پر خرچ کرتا ہے۔ ضروریات اور تعیشات۔ ضروریات زندگی ہیں، ہر فرد معاشرہ کے عام معیار کے مطابق ایک دوسرے کا ہمدوش ہے، کن فی الناس کاحد من الناس، حضرت عمرؓ کا یہ نظریہ تھا کہ جو کچھ رعیت پر گذرتی ہے، اگر وہی مجھ پر نہ گذرے، تو مجھے ان کے مسائل کی صحیح اہمیت کا کیسے اندازہ ہوگا، زندگی کی ضرورتیں انسان کے لیے ناگزیر ہیں۔ وہ دیگر باتوں میں کسی نہ کسی صورت گذر بسر کر سکتا ہے، لیکن ننگا، بھوکا، بے گھر نہیں رہ سکتا۔ سعدیؒ نے کس خوش اسلوبی سے اس صورت حال کا نقشہ کھینچا ہے:۔

گوش تواند کہ ہمہ عمر وے نشنود آواز دف وچنگ و نے
دیدہ شکیبد ز تماشائے باغ بے گل ونسرین بسر آید دماغ
گر نبود بالش آگندہ پر خواب تواں کرد حجر زیر سر
ورنہ بود دلبر ہمخوابہ پیش دست تواں کرد در آغوش خویش
ایں شکم بے ہنر پیچ پیچ، صبر نہ آرد کہ بسازد بہ ہیچ

© rasailojaraid.com

ایشیا کے غیر ترقی یافتہ ممالک Beholding heaven feeling hell کی راہ پر بگٹٹ دوڑ رہے ہیں۔ آبادی کا غالب حصہ فاقہ کشی، نیم برہنگی اور بے گھری کے دن بتا رہا ہے، لیکن ملک کی کروڑہا کی دولت Music Hall, Stadium, Statues اور مختلف تفریح گاہوں کی تعمیر میں خرچ کی جا رہی ہے۔ کیا یہ چیزیں ان دکھوں کا مداوا ہو سکتی ہیں، جن میں ملک مبتلا ہے۔ کیا یہ تدبیریں (Music helps not the tooth-ache) کی مضحکہ خیز صورتیں نہیں۔ صرف منصوبہ بندیوں کے سبز باغ دکھا کر استحصال کیا جا رہا اور اس کے لیے عوام سے داد چاہی جا رہی ہے۔

خود چکھ رہے ہیں اور مجھے دے رہے ہیں حکم — ایمان لائے کہ یہ لڈو نفیس ہیں۔ "اکبر"

صلاحیت کار کی یہ حالت ہے :-

سنورنے کے سوا یہ بے بصیرت کرتے ہی کیا ہیں — چمن کی کیا حفاظت ہو رہی ہے چشم نرگس سے۔ (اکبر)

کسی سوسائٹی کا پرولتاریہ یا مزدور طبقہ بیک بون (Back bone) کی حیثیت رکھتا ہے، خواہ وہ فیلڈ (FIELD) دنیاوی سرگرمیوں کا ہو یا دینی میدان عمل کا۔ ہر دو شعبہ ہائے زندگی کی بہار ان ہی کے دم سے ہے۔ سرمایہ دار طبقہ جونک کی طرح سماج کا خون چوس رہا ہے۔ امام راغب اصفہانی نے آج سے نو سو سال قبل اپنی بے نظیر تصنیف "الذریعہ الی مکارم الشریعہ" میں کس پوست کندہ طریق پر اظہار حقائق کیا ہے۔ "غربت اور فقر و فاقہ کا احساس، یہ دو چیزیں ہیں جن کی وجہ سے انسانیت عامہ کا نظام قائم ہے۔ دنیا کا نظام سرمایہ داری سے زیادہ غریبوں کی غربت پر استوار ہے۔ یہ ہے اسلام کا وہ نظریہ جو آج کے اشتراکی رجحانات سے نو سو سال قبل پیش کیا گیا ہے۔ امام راغب نے دعوے کے ساتھ یہ بات پیش کی ہے کہ سائنس اور صناعی کے تمام شعبے محنت مزدوری سے متعلق ہیں ان تمام محنتوں کا سرچشمہ غربت ہے۔ علامہ اقبال نے "پیام مشرق" میں نوائے مزدور کے عنوان کے تحت کس وجد آفریں انداز میں اس کو پیش کیا ہے :-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمرد بندۂ کہ پاس پوش و محنت کشش نصیب خواجۂ نا کردہ کار رخت حریر
زخون فشانیٔ من لعل خاتم والی زاشک کودک من گوہر ستام امیر
زخون من چو زلو فربہی کلیسا را بزور بازوئے من دست سلطنت ہمہ گیر
خرابہ رشک گلستان زگریۂ سحرم
شباب لالہ و گل از طراوت جگرم

ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا میں آپ سے محبت رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا، خبردار کیا کہتا ہے! اس نے پھر کہا خدا کی قسم میں آپ سے محبت رکھتا ہوں، تین بار کہا، آپ نے فرمایا اگر تو سچ بولتا ہے تو پھر فقر کی تکلیفوں کے لیے اپنے واسطے ایک آہنی جھول تیار کرلے، کیونکہ مجھ سے محبت رکھنے والے کی طرف فقر اتنی زیادہ تیزی کے ساتھ آتا ہے جیسا نشیب میں رو کا پانی۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص حضورؐ سے دعوائے محبت رکھتا ہے اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ آپ کی ہر رنگ زندگی اختیار کرے، اپنا پیٹ کاٹ کر بھوکوں کو کھانا کھلائے اور خود بھوکا رہ جائے، پانی دوسرے پیاسوں کو پلائے اور خود پیاسا رہ جائے، اپنی سواری دوسرے ضرورت مند پیادوں کو دیدے اور خود پیدل چلے غرض اپنا مال واسباب سب دوسروں کو تقسیم کردے، ان کو غنی بنادے اور خود فقیر بن جائے یہ ہے وہ فقر اختیاری جس پر حضورؐ نے فخر فرمایا، الفقر فخری، جس کے سبب کئی کئی دن تک کاشانۂ نبوت میں چولھا روشن نہیں ہوتا تھا۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا کے رسول کی محبت رکھنے والے فقیر ہی ہوتے ہیں، بلکہ یہ مطلب ہے کہ دوسروں کی ہمدردی میں وہ اپنی زندگی خود فقیرانہ بنا لیتے ہیں۔ دنیا میں ہر غمزدہ کا غم ان کا غم، ہر بھوکے کی بھوک ان کی بھوک، اور ہر ننگے کی برہنگی ان کی برہنگی ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی با ہمت ہے تو آئے اور اس میدان میں قدم رکھے۔ اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ اور اولیائے کرام کے تذکرے پڑھیے تو .... معلوم ہوگا کہ اسلام میں دولت درحقیقت غرباء کے لیے ہمیشہ ایک ریزرو بنک (Reserve Bank) سمجھی گئی ہے۔ حالی نے سرسید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مرثیہ میں کس عمومی انداز سے یہ قطعہ کہا ہے :-

چیست انسانی تپیدن در غم ہمسائیگاں ، از سموم نجد در باغ عدن پژماں شدن
خار دیدن خویش را از خواری ابنائے جنس ، در شبستان تنگ دل از ہمت زنداں شدن
آتش قحطے کہ در کنعاں بسوز د باغ و کشت ، بر فراز تخت مصر از تاب آں بریاں شدن

مسند احمد و ترمذی میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار چٹائی پر سو رہے تھے، جب اٹھے تو جسم اطہر پر چٹائی کے نشانات نمایاں تھے، یہ دیکھ کر ابن مسعود نے عرض کیا، یا رسول اللہ اجازت ہو تو میں آپ کے لیے ایک بچھونا تیار کر دوں۔ آپ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا کام، میری اور دنیا کی مثال اس مسافر کی سی ہے جو درخت کے سایہ میں ذرا سی دیر ستالے اور پھر اپنی راہ لے ۔

اقامت گاہ نتواں ساخت ایں گلزار دنیا را ، نسیم صبح گو یدایں سخن آہستہ در گوشم،

مسند احمد و ترمذی میں عبد اللہ بن عمر و بیان کرتے ہیں کہ ایک بار آنحضرتؐ کا گذر ہمارے گھر کی طرف سے ہوا، اس وقت میں اور میری والدہ گھر کی لیپ تھوپ اور مرمت میں مشغول تھے۔ آپ نے فرمایا، عبد اللہ یہ کیا کر رہے ہو، میں نے عرض کیا داغ دوزی کر رہا ہوں، فرمایا کہیں حکم ربی اس سے پہلے تیزی کے ساتھ نہ آجائے ۔

زہیم آنکہ طبل رحلتے ناگاہ بنوازند ، ہمیشہ رخت بردرگاہ دارم خانۂ خود را (نظیری)

ہمارے دور کے مفکرین کی مرعوبیت و اعتذار پسندی کا عالم بھی ترس کھانے کے قابل ہے کہ وہ بیچارے ہر اس بات کے اظہار سے خائف ہیں جو موجودہ زمانے کے ذرا بھی مذاق پر گراں گذرے، خواہ وہ کتنی بھی سچی بات کیوں نہ ہوتی ہو۔ بے شک متاع دنیا حضورؐ کی نظروں میں انتہا درجہ ذلیل تھی اور دنیا کی حقیقت بھی یہی ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اس دنیا میں موجود رہ کر اس دنیا سے مستغنی رہے۔ نہیں بلکہ وہ اس کی طلب پر مامور ہے، حرام ذرائع سے نہیں حلال ذرائع سے، دار آخرت پر ترجیح دے کر نہیں، بلکہ متاع کا سد سمجھ کر۔ ان نصائح کا حاصل دنیوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترغیبات سے روکنا نہیں بلکہ ایک لازوال ملک کی طرف سے غفلت کو روکنا ہے ؎

تا از دو غافل شدنی خوردی نظیری زخم تیر　　صد نظر بر صدگاہ و یک نظر بر دانہ باش

کافروں پر دنیا کو وسعت و فراوانی کو دیکھ کر تمہیں خدا کی نظروں میں ان کے قرب کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے اور حدیث کہتی ہے کہ اس فراوانی کا سبب کافر کی قدر و منزلت نہیں بلکہ متاع دنیا کی بے قدری و ذلت ہے۔

نہ پوچھو مجھ سے لذت خانماں برباد رہنے کی　　نشیمن سینکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں　　کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم، حافظ

بندگان تو کہ در عشق خداوندانند　　دو جہاں را بہ تمنائے تو بفروختہ اند

مولانا آزاد کے مورث اعلیٰ، شیخ بہلول دہلوی جو عہد اکبری کے اصحاب درس و ارشاد سے ہیں، کہا کرتے تھے کہ گھر بناتے ہوئے ڈرتا ہوں، کہیں دل ویران نہ ہو جائے۔ ابوداؤد کی حدیث ہے، اما ان کل بناء وبال، سن لو ہر تعمیر اپنے بنانے والے کے لیے وبال ہو گی۔ شاید اسی حدیث کی روشنی میں عرفی شیرازی کو یہ کلمہ حکمت سوجھا۔

من از فریب عمارت گدا شدم ورنہ　　ہزار گنج بہ ویرانۂ دل افتاد است

تمام انسان مرض وجود میں مبتلا ہیں، وجودک سقم لا یقاس بہ سقم، لیکن امیر وہ بیمار ہیں جنھیں کوئی پرہیز کرایا نہیں جاتا۔ جو چاہا کھا لیا جو چاہا پی لیا۔ باغ ان کے لیے، ایاغ ان کے لیے، رنگ ان کے لیے راگ ان کے لیے، یہاں تک نوبت پہنچی ہے۔ ؎

ہرچہ آید بدہانت خوردی　　ہرچہ آمد بزبانت گفتی،
دیگرے را چہ گناہست کہ تو　　خویش را خویش بدوزخ بردی

غریب وہ بیمار ہیں جن کو پرہیز کرایا جاتا ہے، کھانا چاہتے ہیں تو غذا انہیں ملتی، پہننا چاہتے ہیں تو لباس نہیں ملتا، دیکھتے ہیں اور للچا کر رہ جاتے ہیں ؎

اے فرد دست تہی تا چند در بازار شوق　　قیمت ہر جنس پرسی خجلت از کالا بری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی کی عید ہے کسی کی دید ہے

ہائے پرکاری ساقی کہ بہ ارباب نظر مئے بہ اندازہ و پیمانہ بہ اندازہ دہد (غالب)

اب مرد آخر بیں غور کر سکتا ہے کہ ان دونوں بیماروں میں سے زیادہ کس کی صحت کی یقینی جا سکتی ہے۔ حضور اقدس کی ماثور اور پسندیدہ دعاؤں میں سے ایک یہ بھی تھی: اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین۔ ابن یمین کا یہ قطعہ ملاحظہ فرمائیے اور رعنائی تخیل کے باعث کس حسن و خوبی کے ساتھ ذہن و دماغ میں اس وقت تک رچ جاتا ہے:

خوردن تو مرغ مسمن و مے خوردن ما نان و نمک جوین ما
پوشش تو اطلس و دیبا حریر بخیہ زدہ خرقہ پشمین ما
نیک ہمین ست کہ می بگذرد راحت تو محنت دوشین ما
باش کہ تا طبل قیامت زنند آں تو نیک آید و با این ما

جب کسی حالت کو ثبات و قرار نہ ہو تو اس کی وقعت و منزلت پر کاہ کے برابر بھی نہیں، جیسا کہ صاحب تفسیر کبیر فخر رازی نے کہا ہے۔

دنیا بعینہ چو حباب است ہیچ در ہیچ پوچ است چوں درست بود چوں شکست ہیچ

یا مرزا عبدالقادر بیدل کی شاعرانہ رنگین نوائیوں میں اسی مضمون و تخیل کو زیر لب گنگنایئے:

ہرچہ دارد جہان بے بنیاد مشت خاکے ست در قلمرو باد
بے ثباتے بہ امتحان ثبات محملے میکشد بدوش غبار

اس محل پر ملک قمی کا موازنۂ مابین آسودگی و خستگی، جو فارسی ادب میں کلاسکی درجہ حاصل کر چکا ہے، اپنے سارے فنی کمالات کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر رقصاں ہونے کے لیے سنجیدہ ہے:-

زمیں شدیم چہ شد، آسماں شدیم چہ شد بہ چشم خلق سبک یا گراں شدیم چہ شد
بہ ہیچ رنگ دریں گلستاں قرارے نیست تو گر بہار شدی ما خزاں شدیم چہ شد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چونکہ رزق میں سب برابر کے شریک ہیں، حضرت صدیق اکبر نے وظائف کی تقسیم میں سب کو مساوی قرار دیا، حضرت فاروق جب اس پر معترض ہوئے تو آپ نے کہا یہ معاش کا معاملہ ہے، اس میں سب برابر ہیں، باہمہ گر فرق و امتیاز موجب فتنہ ہے، فضائل و درجات کا تعلق معاد سے ہے، اس کا اجر وہاں ملے گا، یہ عالم اول آزمائش و محنت کا محل ہے، یہاں آدمی مزدوری کرتا اور مزد آخرت میں پاتا ہے

عالم اول جہانِ امتحان عالمِ ثانی جزائے این و آن (رومی)

دنیا کا نظام وسائل پر ہے، فضائل پر نہیں، ع زندگی جہد است و استحقاق نیست.

حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں مراتب کے لحاظ سے وظائف کی تعیین فرمائی لیکن آپ کو اس وقت اس کا احساس ہوا جب دولت کی ریل پیل سے معاشرے کا توازن بگڑنے لگا، فرمایا خلیفہ اول کی نظر کتنی دور رس تھی، اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے۔ ....، اگر آئندہ سال زندہ رہا تو دو کام جن کے کرنے سے قاصر رہا ہوں، انھیں سر انجام دوں گا۔ اول تقسیم وظائف میں اصول مساوات پر عمل، دوم مالداروں سے ان کا فاضل مال لے کر غربا میں تقسیم، کیونکہ یہ فالتو دولت وظائف میں عدم مساوات کے باعث وجود پذیر ہوئی ہے۔ مفادات فاضلہ (VESTED INTEREST) نے اسے روبعمل ہونے نہ دیا، اور آپ کی شہادت اسی گہری سازش کا نتیجہ تھی۔ جس کی توثیق صاحب سر رسول و محرم راز نبوت حضرت حذیفہ بن الیمان کی روایت کردہ حدیث سے ہوتی ہے کہ میری امت میں فتنوں کا سیلاب امنڈ رہا ہے، جس کے درمیان ایک دروازہ حائل ہے، جب وہ توڑ دیا جائے گا تو قیامت تک اس کی تباہ کاریوں کا کوئی انسداد نہ ہو سکے گا، اور وہ دروازہ خود حضرت فاروق کی ذات محکم صفات تھی ؎

رفتم واز رفتن من عالمے تاریک شد من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

خود ان اکابر کا اپنے نفس کے تعلق سے یہ عمل تھا: زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ ایک د

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمر نے پینے کے لیے پانی مانگا تو ان کے سامنے شہد کا شربت پیش کیا گیا۔ فرمایا شربت تو بڑا مزیدار ہے لیکن کیا کروں میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنتا ہوں، اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا، تم اپنی نیکیوں کے مزے دنیا ہی میں اڑا چکے، اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ ہمارے کام کا بدلہ بھی کہیں جلدی جلدی دنیا ہی میں نہ دیا جا رہا ہو۔ یہ کہہ کر پیالہ رکھ دیا (رواہ رزین) ..... الدنیا سجن المومن، کے یہی معنی ہیں کہ مباحات پر بھی Self discipline کے طور پر کچھ قید و بند عاید کر لی جائیں۔ صم عن الدنیا وافطر فی الآخرہ، عرفی کا انتقال ذہنی یقیناً اس حدیث کی روشنی میں اس مضمون کی طرف ہوا ہوگا۔

رفتیم توبہ کردہ ز میخانہ نامراد — میل قدح بہ آں لب میگوں گذاشتیم
رفتیم عرفی از چمن وصل ناامید — دردل ہوائے آں قد موزوں گذاشتیم

احتیاج ہی عبدیت کا کمال ہے، بندگی میں آقائی زیب نہیں دیتی۔ ع "راست ناید خواجگی یا بندگی"۔ جو چیزیں جس کام کے لیے بنائی گئی ہیں ان کا اپنے موضوع کے خلاف استعمال ہمیشہ ذوق سلیم پر گراں گزرتا ہے، عورت نہ مرد کے وضع و ہیئت میں اچھی معلوم ہوتی ہے اور نہ مرد عورت کے لباس و پیرائے میں، یہ سب ناپسندیدہ چیزیں ہیں، جن سے ایک صحیح فطرت ابا کرتی ہے۔

بیدل نے اسی تخیل کو نغمہ و صوت کے پردوں میں بند کیا ہے:۔

ہوش اگر باشد تامل پیشہ اوضاع دہر — ہیچ موضعے خلاف وضع خود محبوب نیست
در خور ہر ساز اینجا نغمہ گل می کشند — از رباب و چنگ آواز دہل مطلوب نیست

یہاں جن و انس کے لیے ایک ہی راہ ہے، الا لیعبدون، یعنی تعبد و انقیاد کی کھلی ہوئی ہے

خواجہ میر درد کے درج ذیل قطعہ میں اسی جانب اشارات پائے جاتے ہیں:۔

خاکی بسجود بندگی توام باش — تا بار نفس بدوش داری خم باش
ای عجز کہ در کارگہ طینت تست — اللہ نمی تواں شدن آدم باش

کبریائی و عظمت جو خالق کائنات کی ردا و ازار ہیں، یہ شان استغنیٰ کے برگ و بار اسی کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیب دیتے ہیں، الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری، یہ شانِ یکتائی کے شہنشاہانہ ملبوسات ہیں، اگر کوئی مخلوق انہیں زیب تن کریگی تو اس کی گردن توڑ دی جائے گی۔ انسان کے ماتھے سے داغ بندگی ہرگز دور نہیں ہو سکتا ؎

چہ ممکن است رود داغ بندگی ز جبیں زمین فلک شود و آدمی خدا نہ شود (بیدل)

جب کبھی انسان کو آسودہ حالی اور فراغت نصیب ہوگی وہ اپنے کو کچھ سمجھنے لگے گا۔ قرآن حکیم میں اس کے اسی کافرانہ مزاج کو اس آیت میں بے نقاب کیا گیا ہے، وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ (شوریٰ) اگر رزق کے دروازے پوری کشادگی کے ساتھ بندوں پر کھول دئے جائیں تو وہ زمین میں خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں۔ کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی o اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی o یقیناً انسان مائل بہ طغیان و سرکشی ہے، خصوصاً اس وقت جبکہ وہ اپنے آپ کو بخت آور بے نیاز پاتا ہے۔ انسانوں کی طرف سے خدائی دعوے جتنے بھی ہوئے ہیں وہ پیٹ بھرے ہی کئے ہیں، خالی پیٹ یہ خبط کبھی اپنے دماغ میں پکا نہیں سکتا۔ اس موضوع پر عطار، رومی و بیدل نے کیسے انمول نگینے تراشے ہیں ؎

ع: دعناد سلطنت سر بجبات می کشد نقر و فنا و مسکنت جانب مات می کشد (عطار)

گر ترا نے نانے و خر قانے بود ہر بن موئے تو شیطانے بود (رومی)

گرسنہ خود لاف الٰہی نزد کاتشش را نیست از ہیزم مدد (رومی)

دماغ عز و ناز فقیراں بنالد کجی نیست سرمایہ بے کلاہی (بیدل)

چولھے میں آگ کے شعلے اس وقت بھڑکتے ہیں جبکہ ایندھن اس میں موجود ہو، جوں ہی ہیمۂ سوختنی نکال لی گئی شعلے خود بخود ٹھنڈے پڑ جائیں گے، انگریزی میں کہاوت ہے (Take away fuel, Take away flames) اگر کسی قوم کی سرکشی ختم کرنا چاہو تو یہ حربہ از دو اثر اور نتیجہ خیز ہے، معاشی حیثیت سے اس کا گلا گھونٹ دیا جائے تو وہ خود بخود مطیع و منقاد و نکر ٹھار اور بیچارا بن کر رہ جائے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شرح السنہ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو صورتوں [میں] سے کسی ایک کے اختیار کرنے کی اجازت دی گئی تھی کہ آیا آپ "نبیاً عبداً" رہنا پسند [فر]ماتے ہیں یا "نبیاً ملکاً"۔ آپ نے نبوت کے ساتھ بندگی کو پسند فرمایا۔ آپ کو سروسامان [ر]زق کے بارے میں یہ کہا گیا کہ احد پہاڑ کو سونا کر دیا جائے گا، تو آپ نے عرض کی، مالک! [میں] ایک دن قوت لایموت کا خواستگار ہوں اور دوسرے روز گرسنہ رہوں، تاکہ جب [شک]م سیر ہو کر کھاؤں تو تیرا شکر ادا کروں اور جس دن کچھ نہ ہو تیری بارگاہ لاابالی میں عجز و زاری کے ساتھ گڑگڑاؤں اور سجدہ ریز رہوں۔ خوف و رجا یہ دو ایمان کے شہپر ہیں، جن سے ایک [م]ومن فضائے ناسوت و ملکوت میں وقف پرواز رہ کر نخچیر شکار و یزداں گیری کی شان امتیاز حاصل کرتا ہے۔ یہ سب کچھ ہماری تعلیم کے لیے تھا ورنہ حضورؐ کا مقام اپنی رفعت و سربلندی میں عاجز کن فہم و ادراک ہے۔ جس کی ہلکی سی چند جھلکیاں قاآنی، نظامی گنجوی، جامی، درد اور اقبال کے ان الفاظ شعری میں پائی جاتی ہیں:

چہ عظمت دادہ یارب بہ خلق آں عظیم الشاں — کہ انی عبدہٗ، گوید بجائے قول سبحانی

تہی دست سلطان پشمینہ پوشش — غلامی خرد پادشاہی فروشش

بہ آغاز ملک، اولیں رابنیے — بہ پایان کار آخریں آیتے

نسخہ کونین را دیباچہ اوست — جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

پایۂ معراج مکیں پایہ اش — از سر ما کم نشود سایہ اش

ترا چنانکہ توئی ہر نظر کجا داند — بقدر دانش خود ہر کسے کند ادراک

کس ز سر عبدہٗ آگاہ نیست — عبدہٗ جز رمز الا اللہ نیست

می توانی منکر یزداں شدن — منکر شان نبی نتواں شدن

محبت از وجودش پائیدار است — سلوکش عشق و مستی را عیار است

مقامش عبدہٗ آمد ولیکن — جہان شوق را پروردگار است

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا سے اپنی نیازمندی کا تعلق استوار رکھو، خود بخود بندگی میں کمال و پختگی اور رسوخ حاصل ہوتا جائے گا۔ حضورؐ کی مناجات ماثورہ میں سے ایک مرغوب و پسندِ خاطر یہ دعا بھی تھی: اللّٰھم انی اعوذبک من الفقر الا الیک، ومن الذل الا لک، ومن الخوف الا منک۔

مولانا محمد قاسم بانی دارالعلوم دیوبند نے حضورِ مع اللہ و تعلق باللہ کے اس عرفان ایمانی کو کس وجد آفریں انداز میں پیش فرمایا ہے، "دارالعلوم دیوبند اس وقت تک مستقل رہے گا، جب تک اس کی آمدنی غیر مستقل رہے گی، لیکن جس وقت اس کی آمدنی کا ذریعہ مستقل صورت اختیار کرے گا تو اس وقت اس کی بنیادیں غیر مستقل، متزلزل اور اوھن الاساس ہو جائیں گی۔ خوف و رجا جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے وہ ہاتھ سے جاتا رہے گا" جیسا کہ خواجہ محمد معصوم المعروف بہ عروۃ الوثقیٰ نے اپنے مکتوبات درۃ التاج میں تحریر فرمایا ہے، "یاس از عمل مستلزم اعتماد بر کرم است، ہر چند یاس از عمل بیش اعتماد بر فضل بیش"

دولت کا ابتلاء، اور حکومت کا نشہ بڑا سخت ہوتا ہے۔ اگر کوئی عالی ظرف اس مئے مردافگن پر قابو پالے تو حقیقت میں جوانمردی ہے، "گر بدولت برسی مست نہ گردی مردی" سرمست مے سرمدی بوبکر شبلی جب کسی منعم اور مترف کو دیکھتے تو زبانِ حال و قال ان دعائیہ کلمات کے اظہار میں رطب اللسان ہو جاتی: الحمد للّٰہ الذی عافانی مما ابتلاک وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا۔

دولت کا فتنہ، غربت کے فتنہ سے اشد ہے۔ اس میں خود کو سنبھالنا اور دوسرے کو بھی تھامنا ہے۔ ناداری خود اپنی ہی خبرگیری ہے، دوسروں کی ذمہ داری نہیں۔ دولت مندی میں ہر خواہش و آرزو اور ہر مرغوب شئے اپنی پرستاری کا تقاضہ کرتی ہے، اور دل و دماغ میں ہمہ وقت آرزوؤں اور تمناؤں کا صنم کدہ آباد رہتا ہے ؎

عشوۂ ابلیس از تلبیسِ تست ———— در تو یک یک آرزو ابلیس تست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چوں کنی یک آرزوئے خود تمام — در تو صد ابلیس زاید والسلام

فقیری میں صرف ایک ہی چوکھٹ کی جبہ سائی رہتی ہے، ماسوی اللہ کا زیادہ شور و شر نہیں رہتا ہے، جیسا کہ بیدل نے کہا ہے :-

اعتبار غیر بیاپاست در اسباب جاہ — با فقیری ساز کین ماسوائے حق کم است

یا حسرت موہانی کے الفاظ میں ؎

ہے ایک درِ پیرِ مغاں تک تو رسائی — ہم بادہ پرستوں کا کہاں اور ٹھکانا

امیر کا سر اپنی خود آفریدہ ہوا وہوس کے آگے جھکا ہوتا ہے۔ تیمور جب حضرت خواجہ نقش بند کی خدمت میں حاضر ہوا، کسی نے اطلاع کی کہ بادشاہ آیا ہے جواباً کہا بادشاہ تمہارا ہوگا، ہمارا تو بندۂ بندگان ہے، وہ حرص وہوا کا حلقہ بگوش ہے اور یہ ہمارے پیش چنداں حاشیۂ ادب نہیں ؎

از حرص و ہوا دو بندہ دارم — من بر سر ہر دو پادشاہم

تو بندۂ بندگان مائی — از بندۂ بندگان چہ خواہم

فقیر وہ ہے جس چیز سے ہاتھ خالی ہو اس سے دل بھی خالی ہو، وہ فقیری نہیں گدائی ہے جو عنکبوت آسا اپنے تصورات میں غیر اللہ کی چوکھٹوں پر اشراق و اشراف کی مشق کرتی رہتی ہے ؎

عزلت گزیدہ ایم دبصد کوچہ می طپیم — آہ از قناعتے کہ نشد بے نیاز حرص (بیدلؔ)

بہرحال دنیا بری نہیں، اس کا غلط استعمال اسے برا کر دیتا ہے ؎

نیست دنیا بد اگر کارے کنی — بد شود گر عزم دینارے کنی

دنیا کو دل سے ہاتھ میں لالو، درد، دوا بن جائے گا۔ وہاں دل میں پردہ بن کر حائل تھی، یہاں عطا بن کر جاری ہو جائے گی۔ " دنیا در دل درد است و در دست دوا، آنجا غطا میشود، اینجا عطا " دنیا کی حالت پانی کی سی ہے اور دل کی حالت کشتی کی سی، پانی اگر داخل کشتی نہ ہو تو پشت پناہ ہے اور اگر اندر آجائے تو بیڑہ غرق اور حالت تباہ۔ اس محل پہ رومی واقبال کے الہامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشعار انگشتری میں نگینے کی طرح اپنی جگہ بنا رہے ہیں۔

آب در کشتی ہلاک کشتی است   آب در بیرون کشتی پشتی است

کمال ترک نہیں آب و گل سے مہجوری   کمالِ ترک ہے تسخیر خاکی و نوری

عیار فقر ز سلطانی و جہانگیری ست   سریر جم بطلب بوریا چہ میجوئی

ہر عمل میں اعتدال کمال عرفاً ہے، اور صراط مستقیم ایسے ہی وسط کا نام ہے جو لا تیجزیٰ، بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے، جس کی تمثیلی صورت قیامت میں جسر جہنم (پل صراط) بن کر ظاہر ہوگی۔ لا خیرانی فی الوسط والبلد یا فی الناوایاسہ

کنارہ گرد خطرہائے بے کراں دارد   میانہ روز دو جانب نگاہباں دارد

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ج یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝ اللہ حکم دیتا ہے کہ (ہر معاملہ میں) انصاف کرو (سب کے ساتھ) بھلائی کرو، اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرو اور تمہیں روکتا ہے، بے حیائی کی باتوں سے، ہر طرح کی برائیوں سے، اور ظلم و زیادتی کے کاموں سے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم پند و موعظمت حاصل کرو۔

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ میں پیکر انسانیت بن جائیں، صرف قاریِ قرآن نہیں بلکہ سراپا چلتا پھرتا قرآن بن جائیں۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن   قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم   دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

فطرت کے سرودِ ازلی اس کے شب و روز   آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن،

یہ وہی آیت ہے جس کو پہلی صدی کے مجددِ اول، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے، جنھیں پانچواں خلیفۂ راشد شمار کیا جاتا ہے، جمعہ و عیدین میں بنی امیہ کی طرف سے اہل بیت اطہار پر جو تبرّی اور سب و شتم کیا جاتا تھا، اس کو موقوف کر کے، خطبات میں اس آیت کو داخل فرمایا۔ یہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنت متواترہ و ماثورہ ہے جو تیرہ سو سال سے اہلِ سنت والجماعت میں جاری و ساری اور الی الآن محراب و منبر سے اپنے دلپذیر زمزموں سے سامعہ نواز ہو رہی ہے ؂

ہر مطلعے کہ ریزد از خامہ ام ثنا ئیست — جز نغمۂ محبت سازم نوا ندارد (غالبؔ)

اوامر و نواہی کے سارے عنوانات ان چھ لفظوں میں سمیٹ لیے گئے ہیں: عدل، احسان، سلوک، فحشاء، منکر، بغی۔ ان میں سابقاً تین اوامر سے اور لاحقاً تین نواہی سے متعلق ہیں۔ عدل تمام محاسنِ اخلاق کی اساس ہے، خواہ روحانیات میں ہو یا مادیات میں۔ تمام کائنات اسی عدل و قسط پر قائم ہے۔ عدل کو متوازن حالت میں اسی وقت تک برقرار رکھا جا سکتا ہے جبکہ احسان و سلوک کے دو بازوؤں سے اسے سہارا نہ مل جائے۔ اگر یہ صورت حال نہ ہو تو عدل و ظلم کے ڈانڈے مل جاتے ہیں، اور دنیا کی کون سی ایسی چیز ہے جہاں ایک خفیف سی کوتاہی اور معمولی سی زیادتی Sublime کو Ridiculous نہ بنا دیتی ہو، کہ "نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد" اسی قضیہ کو اٹھارہویں صدی کے ایک مشہور اہلِ نظر Thomas Paine نے اپنی ایک تالیف Age of Reason میں نہایت سادہ و پرکار انداز میں پیش کیا ہے:-

"The sublime and the ridiculous are often so nearly related, that it is difficult to class them separately. One step above the sublime makes the ridiculous, and one step above the ridiculous makes the sublime again."

کتاب الخراج میں امام ابو یوسف نے حضرت عمرؓ کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ خلافت اس وقت تک صحیح اصول پر قائم نہیں رہ سکتی جب تک کہ ایسی سختی نہ کی جائے جو ظلم کی حد تک نہ پہنچے اور ایسی نرمی اختیار نہ کی جائے جس پر کمزوری کا گمان ہونے لگے۔ ارسطاطالیس کی طرف بھی اسی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم معنی ایک قول منسوب کیا جاتا ہے :-

Moderation in temper is a virtue, but moderation in principles is always a vice 'Aristotle'

ہر وقت و محل پر کسی چیز کے حقوق کا لحاظ اور حق و باطل میں تمیز ہر زید و بکر کے بس کی بات نہیں۔ فاروق و حیدر جیسی بلند پایہ شخصیتیں ہی ایک مثالی میں اس سے عہدہ برا ہو سکتی ہیں، جو کسی عجوزہ کی تجویز پر تعین مہر سے رک جاتیں اور اپنے الدالخصام کی رگ گردن سے خنجر ایسے وقت میں جدا کرتی ہیں جبکہ وہ گستاخانہ تھوک کر اپنے معاندانہ جذبات کی تسکین پذیری کر رہا ہو۔ احسان و سلوک، یہی دو عدل کے عوامل ناظم Regulating factors ہیں۔

درکفِ جامِ شریعت، درکفے سندانِ عشق ۔۔۔ ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

لفظ مومن کے دو اشتقاقات ہیں۔ امن کے لحاظ سے امان دینے والا اور اسباب امن مہیا کرنے والا۔ اسمائے حسنیٰ میں اللہ کا نام 'مومن' ان ہی معنوں میں آیا ہے، اور "تخلقو باخلاق اللہ" کے تحت سب اہل ایمان اس میں شریک ہیں۔ دوسرے معنی صاحب ایمان کے ہیں جو معلوم ہیں۔ علامہ اقبال نے "ضرب کلیم" میں مومن کی ان مابہ الامتیاز خصوصیات کو حرف و صوت کے پردوں میں نہایت وجد آفریں انداز میں پیش کیا ہے۔ مومن کی زندگی کا اس دنیا میں یہ نقشہ ہوتا ہے :-

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم ۔۔۔ رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش ۔۔۔ خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں ۔۔۔ جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

اور جنت میں اس کی شان انفرادیت کا یہ رنگ ہوتا ہے :-

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن ۔۔۔ حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مومن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غرض جو کتاب ایسے سانچے لے کر آئی ہو، جس سے ایسے اعمال ڈھلتے ہوں، جو ایسی
ندگیاں بناتی ہو، اگر وہ ہدایت، رحمت اور بشارت کے نام سے پکاری جائے، تو پھر کس
صف سے اسے اتصاف کیا جائے۔

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است　　ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود　　جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

اعِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (نحل ۹۶) جو تمہارے پاس ہے وہ فانی
ور جو اللہ کے ہاں ہے وہ باقی ولازوال ہے۔

اس فانی دنیا میں باقی وہی چیز ہے، جو احکام الٰہی کے مطابق صرف میں لائی جائے، اور
اپنی خواہشات نفسانی کی تسکین پذیری میں خرچ ہو وہ زوال آمادہ اور چشم زدن میں
م ہونے والی ہے، جوں ہی ان سے استفادہ کیا ان کی لذت کدورت سے مبدل ہو کر رہ گئی ہے

دیدۂ تحقیق سے دنیا کی حالت دیکھیے　　پہلے لذت اور آخر میں نجاست دیکھیے (اکبر)

کیسے کیسے لطیف و خوش ذائقہ مشروبات و مطعومات سے کام و دہن آشنا ہوتے
ہتے ہیں، جو حلق سے نیچے اترتے ہی قاذورات و قاذورات میں اپنی ہیئت بدلنے لگتے
لیکن روحانی غذا کا رنگ ہی دوسرا ہوتا ہے۔ اور مادہ سیری پذیر نہیں، ان کی ہر خورش،
رکی تخلیق کا موجب ہوتی ہے۔ جیسا کہ رومی نے کہا ہے:۔

ہر کہ کاہ و جو خورد قرباں شود　　ہر کہ نور حق خورد قرآں شود
چوں خوری یکبارہ از ماکول نور　　خاک ریزی بر سر نان تنور

ایسے روحانی اعمال ایک جاودانی مسرت کے حامل ہوتے ہیں، اُن کا ہر استفادہ ایک نئے
ضافہ کو اپنی آغوش میں لیے ہوتا ہے، جس کا صلہ، فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ، ہے۔ ایک
انہ خرچ کر کے خرمن خرمن حاصلات کے انبار لگائے جا سکتے ہیں۔ مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ
وَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مِائَةُ حَبَّةٍ، وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

راہِ خدا میں قربان ہونا زندہ جاوید ہونا ہے، ع "ہے کبھی جاں، اور کبھی تسلیم جاں ہی زندگی" خوشنودئ رب کے لیے خود بھوکے رہ کر فاقہ زدوں کو کھلانا، نعیم ابدی کی لذتوں سے بہرہ ور ہونا ہے، اور خدا کی راہ میں اپنی کمائی نچھاور کر کے آخرت میں لامتناہی خیر کثیر سے مالا مال ہونا ہے اسی طرح غور کرتے چلے جائیے فکر و نظر کے لیے نئی نئی دنیائیں آباد دکھائی دیں گی ؎

قصر بہ مال نظیری ہیچ ہیں نرسد — کہ او بوادی درخشش بہ منزل افتادہ است

یا با صاحب مثنوی معنوی کے الفاظ میں :-

زانکہ در لا ست او از لا گذشت — ہر کہ در لا ست او فانی نگشت

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را — بہر یک گل میخزی گلزار را

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد — آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

لامکاں جوئی گذر کن از مکاں — تو نمائی او بماند جاوداں

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ

(نحل ۱۰۶) جو کوئی ایمان لانے کے بعد اللہ سے منکر ہوا اور اس کا دل اس انکار پر رضامند ہو گیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے، مگر ہاں جو کوئی کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل اندر سے ایمان پر مطمئن ہو تو ایسے لوگوں سے مواخذہ نہیں۔

اس آیت کا شانِ نزول ایک اہم پچھواڑے کا حال ہے حضرت عمار بن یاسر جو سابقون الاولون میں سے ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ایک دفعہ مشرکین نے انھیں اس قدر غوطے دئے کہ وہ بدحواس ہو گئے اور ان جفا کاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے کہلوا دیا اس کے بعد گو اس مخمصے سے گلو خلاصی ہو گئی، تاہم غیرت ملی نے عرق عرق کر دیا، دربارِ نبوت میں دوڑے ہوئے آئے، آنکھیں گنگ و جمن بہا رہی تھیں۔ آنحضرت نے دریافتِ حال فرمایا، عرض پرداز ہوئے کہ آج مجھے اس وقت تک مخلصی نہیں ملی جب تک آپ کی شان میں برے الفاظ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے معبودانِ باطل کے بارے میں کلمات خیر استعمال نہیں کئے۔ ارشاد ہوا تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو، عرض کیا ایمان پر مطمئن ہے حضورؐ نے تسلی دی اور فرمایا کچھ مضائقہ نہیں اگر پھر ایسی صورت پیش آئے تو ایسا ہی کرو۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عمار کی شہادت جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کی حمایت میں لڑتے ہوئے واقع ہوئی۔ انما الاعمال بالنیات، اور الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله، الا وھی القلب۔ یہ ہر دو ارشادات عالی اسی مبتدا کی خبر ہیں۔

بغیر دل ہمہ نقش و نگار بے معنی ست ۔۔۔ ہمیں ورق کہ سیہ گشتہ مدعا اینجاست (نظیری)

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجائے ۔۔۔ کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے (درد)

گلگونۂ عارض ہے، نہ ہے رنگِ حنا تو ۔۔۔ اے خون شدہ دل تو تو کسی کام نہ آیا

ایمان کا تعلق قلب سے ہے، اگر قلب صحت مند ہے تو کوئی عمل اس کو بگاڑ نہیں سکتا، اور اگر وہ سقیم و ماؤف ہے تو کوئی فعل اسے درست نہیں کر سکتا، اس حالت میں تمام نیکیاں ذنوب بن جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آکل ربوا کو مومن کہا، یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربٰوا، قاتل عمد کو مومن کہا، یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ، شارب خمر کو مومن کہا، یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکاریٰ، دروغ باف کو مومن کہا۔ یا ایھا الذین امنوا لم تقولون ما لا تفعلون، اور مال حرام کھانے والے کو بھی مومن کہا، یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ ایسے سنگین جرائم کے بعد بھی خطاب، اے اہل ایمان، ہی سے کیا گیا۔ اب علمائے ظاہر پرست اس آئینہ میں اپنی صورت دیکھ لیں، جو "امت کو چھانٹ ڈالا کا قرینا بنا کر" کی گم کردہ راہ پر گامزن دوڑ رہے ہیں ؎

دینِ کافر فکر و تدبیر جہاد ۔۔۔ دینِ ملا فی سبیل اللہ فساد (اقبال)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فعل کی کوئی قدر و قیمت نہیں، روحِ فعل یعنی نیت اور محرکِ عمل کو دیکھا جاتا ہے

گر بگوید کفر آید بوئے دین، می تراود از تشکش عزم و یقیں

اگر ظاہر کفر کی صورت لیے ہوتے ہو اور باطن نورِ ایمانی سے منور ہو رہا ہو تو ایسا عمل اہل کے لیے قاعدہ و قانون بن جاتا ہے، اور اگر ظاہر میں ایمان کا لبادہ اوڑھا ہو اور باطن نمارده و فراعنہ پرورش پا رہے ہوں یا دوسرے الفاظ میں ظاہر یزیدی اور باطن یزید ہو اس کا قلع قمع اولین فرض قرار پاتا ہے۔ مولانا روم نے ان ہر دو صورتوں کی طرف مثنوی کے شعر میں تلمیح فرمائی ہے :۔

ہر چہ گیرد علتی، علت شود کفر گیرد کاملے ملت شود

عہد رسالت کے دو اہم تاریخی واقعات کی طرف اس بیت میں اشارات ہیں پہلے مصرع میں مسجد ضرار کی تلمیح ہے جب حضورؐ تبوک تشریف لے جانے لگے تو منافقین نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم نے معذوروں اور بیماروں کے لیے ایک مسجد تعمیر کی ہے۔ اگر آپ چل کر ایک دفعہ نماز پڑھا دیں تو ہمارے عمل کو شرف پذیرائی نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا میں فی الوقت عدیم الفرصت اور پا بہ رکاب ہوں۔ جب تبوک سے مراجعت فرما ہوئے تو اس مسجد کے انہدام اور نذرِ آتش کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس مسجد کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ، لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ط مصرع ثانی حضرت عمار کے مذکورۃ الصدر واقعہ کو ذہن و حافظہ میں تازہ کر رہا ہے۔

ز ذوق ما نشود با خبر مذاق سقیم، درست ذائقہ داند مذاق شکر ما (نظیری)

اند کے با تو بگویم غم دل ترسیدم کہ تو آزردہ شوی، ورنہ سخن بسیار است

میں نے یہ سارا سرمایہ تنکا تنکا کر کے مژگانِ عقیدت سے اکٹھا کیا ہے، اللہ تعالیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ں سے استفادہ و استفاضہ کی دولتوں سے مالا مال فرمائے ؎

چمن دلے کہ بیادِ تو آشنا گردید
فلک سرے کہ بپائے تو جبہہ سا گردید

کسیکہ دست بداماںِ التفاتِ تو زد
مقیمِ انجمن سایۂ ہما گردید

چو بیدل آنکہ غبار رہِ نیاز تو شد
بچشمِ ہر دو جہاں نازِ توتیا گردید

یہ سرمۂ نورِ بصر ہے جو زیبائی چشم کی رعنائیوں کے ساتھ مفت نظر ہے یا یہ روحانی علاج کا ایک نسخہ ہے، جس میں ترتیب سے زیادہ تاثیر کا خیال رکھا گیا ہے جضورؐ کا ارشاد ہے کہ کانوں کی مثال دل کے لیے قیف کی سی ہے۔ پند و موعظت کی ادویہ اس کے ذریعہ دل کے ظرف میں انڈھیل دی جاسکتی ہیں۔ تاثیر و شفا دستِ قدرت میں ہے، لیکن ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد، دل رس ضرور ہے ؎

سخن کز دل بروں آید بدلہا در دروں آید
سخنہائے زبانی جملہ بر باد ہوا گردد

لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝ ق ۳۷

اس کی خدمت میں جو دل آگاہ اور گوشِ شنوا رکھتا ہو۔

© rasailojaraid.com